پیشکش: پیامِ قرآن

ولادتِ مسیح علیہ السلام

اور

جناب غلام احمد پرویز

پروفیسر حافظ ڈاکٹر محمد دین قاسمی

www.facebook.com/payamequran

اس کرۂ ارض پر، حضرت عیسٰی علیہ السلام، جس قدر بھی رہے ہیں، ایک معجزانہ شان سے رہے ہیں، حتّٰی کہ ان کی پیدائش بھی، ایک معجزہ تھی، قرآن بیان کرتا ہے کہ

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ اٰيَةً وَّاٰوَيْنَاهُمَآ إِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (المؤمنون-۵۰) اور ابن مریم اور اس کی ماں کو، ہم نے ایک نشان بنایا اور ان (دونوں) کو ایک سطح مرتفع پر رکھا، جو جائے قرار تھی اور جاری چشموں کی جگہ تھی۔

اس آیت میں، اللہ تعالٰی نے، نہ تو یہ فرمایا کہ --- ''ایک نشانی ابن مریم تھے اور ایک نشانی خود مریم'' --- اور نہ یہ ہی فرمایا کہ --- ''ابن مریم اور مریم، دونوں کو دو نشانیاں بنایا'' --- بلکہ فی الواقع فرمایا یہ ہے کہ --- ''دونوں مل کر ایک نشانی بنائے گئے'' --- اس کا مطلب، اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ --- ''مرد کی صحبت کے بغیر، مریم کا حاملہ ہونا، اور باپ کے بغیر، ابن مریم کا پیدا ہونا'' ہی وہ چیز ہے جو دونوں کو ایک نشانی بناتی ہے۔

قرآن کریم، آپؑ کی پیدائش کو، اگرچہ چند مقامات پر پیش کرتا ہے، لیکن سب سے زیادہ تفصیل، سورہ مریم ہی میں ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا(۱۶) فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (۱۷) قَالَتْ إِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا(۱۸) قَالَ إِنَّمَآ أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا(۱۹) قَالَتْ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلَامٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ أَكُ بَغِيًّا(۲۰) قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّلِنَجْعَلَهُ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا(۲۱) فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا(۲۲) فَأَجَآءَهَا الْمَخَاضُ إِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا(۲۳) فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَآ أَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا(۲۴) وَهُزِّيْٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا(۲۵) فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُوْلِيْٓ إِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا(۲۶) فَأَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوْا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا(۲۷) يَآ أُخْتَ هَارُوْنَ مَا كَانَ أَبُوْكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا(۲۸) فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا(۲۹) قَالَ إِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتَانِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا(۳۰) وَجَعَلَنِيْ مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا(۳۱) وَبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا(۳۲) وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا(۳۳) ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ (مریم-آیات ۱۶ تا ۳۴) (اے محمد!) اس کتاب میں سے مریم کا حال بیان کر جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر شرقی جانب گوشہ نشین ہو گئی تھیں، اور پردہ ڈال کر، ان سے چھپ بیٹھی تھی اس حالت میں، ہم نے ان کے پاس، اپنی روح (فرشتے) کو بھیجا اور وہ اسکے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہوا، مریم بول اُٹھی'' تو اگر خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں''۔ اس نے کہا،'' میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں''۔ مریم نے کہا'' مجھے لڑکا کیسے ہوگا جبکہ مجھے نہ کسی بشر نے چھوا ہے اور نہ ہی میں بدکار ہوں'' فرشتے نے

کہا،" ایسا ہی ہوگا تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے آسان ہے اور ہم یہ اسلئے کریں گے کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لیے ایک نشانی بنادیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت، اور یہ کام ہو کر رہنا ہے"۔ مریم کو اس بچے کا حمل ٹھہر گیا اور وہ اس حمل کے لیے، ایک دور کے مقام پر چلی گئی۔ زچگی کی تکلیف نے اسے کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا، وہ کہنے لگی" اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مر جاتی اور میرا نام ونشان نہ رہتا" فرشتے نے پائینتی سے اسکو پکار کر کہا" غم نہ کر، تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے تو اس درخت کے تنے کو ہلا، تیرے اوپر تازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔ پھر اگر کوئی آدمی تجھے نظر آئے تو اس سے کہدے کہ" میں نے رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے اس لیے آج کسی سے نہ بولوں گی" پھر وہ بچے کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم میں آئی، لوگ کہنے لگے" یہ تو، تُو نے بڑا پاپ کر ڈالا، اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی" مریم نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا لوگوں نے کہا" ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے" بچہ بول اُٹھا،" میں اللہ کا بندہ ہوں اُس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں۔ اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا، سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا، اور جبکہ میں مروں اور جبکہ میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں، یہ ہے عیسٰی ابن مریم، اور یہ ہے اسکے بارے میں سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں۔

یہ آیات اپنے مفہوم میں بالکل صاف، صریح اور واضح ہیں، اگر انسان پہلے سے کوئی ذہن نہ بنا چکا ہو، اور ترجمۂ قرآن میں، بین القوسین، خودساختہ اضافوں سے پرہیز کیا جائے، تو وہ حضرت عیسٰی کی بے باپ ولادت کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، اس واقعہ میں درج ذیل امور خارقِ عادت اور معجزانہ پہلو لئے ہوئے ہیں۔

(۱) فرشتے سے عیاناً ہم کلام ہونا (۲) مریم کا بغیر صحبتِ مرد کے حاملہ ہونا (۳) نوزائیدہ بچے کا کلام کرنا

(الف) فرشتے سے عیاناً ہم کلام ہونا

اس واقعہ میں، پہلی چیز، جو خلافِ عادت، وقوع پذیر ہوئی ہے، وہ انسانی شکل میں فرشتے کا نمودار ہونا ہے (فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَراً سَوِيًّا) پھر مریم جیسی عفیفہ و پاکدامن عورت کا، اسے دیکھتے ہی استعاذہ کرنا، اور فرشتے کا خدائی پیغام رساں ہونے کی حیثیت سے مریم کو بشارتِ پسر دینا، اور اس کا اس بنا پر اظہارِ تعجب کرنا کہ اسے کیسے لڑکا پیدا ہوگا جبکہ نہ تو وہ شادی شدہ ہے کہ کسی مرد نے اسے چھوا ہو، اور نہ وہ کوئی بدکار خاتون ہے، بلکہ اس کے برعکس، وہ ایسی کنواری عورت ہے کہ جس کے قریب تک کوئی مرد نہیں پھٹکا ہے، پھر فرشتے کا اسے، اسی حالتِ دوشیزگی اور کنوارپن میں پاکباز بیٹے کی بشارت دیتے ہوئے، یہ کہنا کہ یہ اللہ کے ہاں ایک طے شدہ امر ہے، اور یہ کہ نوزائیدہ بچے کو، اللہ تعالیٰ ایک نشانی بنانا چاہتا ہے، یہ سب کچھ یقیناً، نہ صرف یہ کہ خلافِ عادت اور خلافِ معمول ہے، بلکہ صریحاً خارقِ عادت امر ہے۔

(ب) مریم کا بغیر صحبتِ مرد کے حاملہ ہونا

پھر اس حالت میں (کِذَالِک)، بغیر اس کے کہ منکوحہ ہونے کی صورت میں کسی مرد نے، مریم کو چھوا ہو، یا بغیر کسی ارتکابِ بدکاری کے، مریم از خود حاملہ قرار پاتی ہے فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا اور جب حمل کو مزید چھپانا ممکن نہیں رہ جاتا، تو وہ اپنے معتکف سے نکل کر، دور چلی جاتی ہے تا کہ اس حمل پر، وہ، لوگوں کی چہ میگوئیوں، لعن طعن اور ملامت و سرزنش سے محفوظ بھی رہے، اور اللہ کی مرضی پوری بھی ہو جائے، بچے کو جنم دیکر، وہ، اپنی قوم میں آتی ہے تو لوگ، اس پر باتیں بنانے کے لیے ہجوم کر آتے ہیں، اور وہ چپ کا روزہ رکھے ہوئے، لوگوں سے ہمکلام ہونے کی بجائے، انہیں بیٹے کی طرف متوجہ کر دیتی ہے، وہ لوگ، اس پر متعجب ہو کر کہتے ہیں کہ ہم پنگھوڑے میں پڑے ہوئے، اس نوزائیدہ بچے سے کیسے ہمکلام ہوں جبکہ اس عمر میں بچے بولا نہیں کرتے؟

(ج) نوزائیدہ بچے کا کلام کرنا

اب یہ نوزائیدہ بچہ، خود لوگوں سے کلام کرتا ہے، اور اس نوزائیدگی اور شیر خوارگی کی حالت میں، یہ گفتگو، اپنے اندر ایک ایسی نرالی شان رکھتی ہے، جسے بجا طور پر، ایک معجزہ قرار دیا گیا ہے، بچے اس حالت اور اس عمر میں کلام نہیں کیا کرتے، اس لیے یہ خارقِ عادت امر ہے، جو معجزہ کا جزوِ لازم ہے۔

''مفکرِ قرآن'' کا اعتراضِ فاسد

لیکن ''مفکرِ قرآن'' صاحب، انکارِ معجزات کے ذہنی رجحانات کے تحت، مندرجہ بالا آیات کی، تاویل و تفسیر کے نام پر، ایسی تحریف کرتے ہیں کہ بقول اقبال، خدا و جبرائیل و مصطفیٰ بھی حیران رہ جاتے ہیں، چنانچہ آیات میں مذکور، خدائی معجزے پر، وہ یوں، زبانِ اعتراض، دراز کرتے ہیں۔

> اگر یہ معجزہ تھا تو اسے بہر حال، اللہ تعالیٰ کا معجزہ قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن آپ کچھ وقت کے لیے، اپنے جذبات کو الگ رکھ کر سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس معجزہ کو دکھانے کے لیے جو طریق اختیار فرمایا، اس نے اس معصوم بچی (مریم) کو کن مشکلات میں پھنسا دیا، آپ سوچئے کہ اگر ایک نوجوان، ناکتخدا (غیر شادی شدہ) لڑکی کو حمل قرار پا جائے، اور اسطرح، اس کے ہاں لڑکا بھی پیدا ہو جائے، تو معاشرہ میں اس کی حالت کیا ہوگی؟ کیا وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہے گی؟ کیا وہ اپنے گھر والوں کے ہاں جا سکے گی؟ کیا وہ معاشرے کا سامنا کر سکے گی؟ سوچئے کہ اُس کی زندگی کس قدر اجیرن ہو جائے گی، کہا جائیگا کہ اس میں حضرت مریم کا کوئی قصور نہیں تھا، ایسا اللہ تعالیٰ نے کر دیا تھا، لیکن ایسا کہتے وقت، اس پر غور کیجئے کہ کیا حضرت مریم کے پاس، اس کا کوئی ثبوت تھا کہ اس حمل میں ان کا کوئی قصور نہیں، ایسا خدا نے کر دیا ہے، کیا وہ اسے کسی صورت بھی ثابت کر سکتی تھیں؟ وہ تو ایک طرف، کیا حضرت عیسیٰ بھی کسی طرح یہ ثابت کر سکتے تھے کہ ان کی والدہ، اس باب میں بیگناہ ہیں اور ان کا حمل، خدا کی طرف سے تھا، اگر انہوں نے اس کا دعویٰ بھی کیا تھا - جو نہیں کیا تھا - تو سوال دعویٰ کرنے کا نہیں، سوال تو اس دعویٰ کی صداقت کے

لیے ثبوت پہنچانے کا تھا، ایسا ثبوت، جس سے معاشرہ مطمئن ہو جائے، کہ حضرت مریم واقعی بے گناہ ہیں، ان کا حمل، خدا کی طرف سے تھا۔ [1]

جائزہ اعتراض

''مفکر قرآن'' کا خیال یہ تھا کہ، اللہ تعالیٰ کو، یہ معجزہ دکھانے کے ساتھ، کوئی ایسا ثبوت بھی فراہم کر دینا چاہئے تھا، جس سے وہ اپنے حمل کو خدا کی طرف سے، قرار دے سکتیں، لیکن انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ اگر منکرین، ایسا ثبوت پا کر بھی، اپنے انکار پر مصر رہتے تو پھر کیا ہوتا؟ کیا پیغمبروں نے اثباتِ حق میں کوئی کسر چھوڑ رکھی تھی کہ نہ ماننے والے پھر بھی اپنے انکار وجود پر قائم نہیں رہے؟ کیا ہر دور کے کفار، واضح دلائل اور ٹھوس ثبوت پا کر بھی، محض تعصبات کا شکار ہو کر، انکارِ حق پر کمر بستہ نہیں رہے؟ کیا قومِ ثمود کے سرکش و نافرمان لوگ، ناقۃ اللہ کی صورت میں، منہ مانگی نشانی پا کر بھی، اپنی روشِ کفر پر برقرار نہیں رہے؟ کیا بنی اسرائیل اور بالخصوص، یہود، اپنے پیغمبروں سے، مطالبۂ معجزات کو پا لینے کے بعد بھی، اپنے انبیاء و رسل کو موت کے گھاٹ نہیں اتارتے رہے ہیں؟ کیا فرعون اور اس کے حواری، حضرت موسیٰؑ کے صریح معجزات کو دیکھ کر بھی کفر پر مصر نہیں رہے؟ پھر یہاں کوئی ''اطمینان بخش ثبوت'' دے بھی دیا جاتا، تو اس سے کیا فرق پڑتا؟

اور ایسا ثبوت بھی موجود تھا

حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ میں --- ''ایسا ثبوت، جس سے معاشرہ مطمئن ہو جائے کہ حضرت مریم واقعی بیگناہ تھیں، ان کا حمل، خدا کی طرف سے تھا'' --- فی الواقع موجود ہے، اس قطعی ثبوت کا بندوبست کرتے ہوئے ہی، اللہ تعالیٰ نے، حضرت مریم کو قوم کی طرف واپس ہوتے ہوئے، یہ کہا تھا کہ--- ''اگر تجھے کوئی آدمی نظر آئے، تو اس سے کہہ دیں کہ میں نے رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، اس لیے میں آج کسی سے نہیں بولوں گی'' --- اور خود بولنے کی بجائے، اس نے نوزائیدہ بچے کی طرف اشارہ کر دیا، بچہ بولا، اور شیر خوار بچے کا یہ تکلم ہی معجزہ بن کر، مریم کی براءت کا منہ بولتا ثبوت، قوم کو فراہم کر دیتا ہے، پھر ماننے والوں نے، اسی گفتگو کی بناء پر، حضرت عیسیٰ کو ابتدائے عمر ہی سے غیر معمولی شخصیت قرار دیا، لیکن نہ ماننے والے، اُس دور سے لے کر، آج تک منکر ہی رہے ہیں۔

اگر ''مفکر قرآن'' صاحب، اپنی سابقہ تحریروں کو اسی طرح فراموش کر بیٹھے ہیں، جس طرح، مرزا غلام احمد قادیانی، عقیدۂ اجرائے نبوت کو اپنا لینے کے بعد، عقیدہ ختم نبوت پر مشتمل اپنی سابقہ تحریروں کو گلدستہ طاقِ نسیاں بنا چکے تھے، تو ہم، ان کے اس اعتراض کا جواب، خود، اُنہی کی ایک قدیم عبارت سے پیش کئے دیتے ہیں۔

> اب ذرا تصور میں لائیے، اس الم انگیز واقعہ کو، کہ قوم کے بڑے بوڑھے، خانقاہ کے عمائد و اراکین، اس طرح بپھرے ہوئے درندوں کی طرح، چاروں طرف سے امنڈ پڑے ہیں اور ان کے درمیان، حضرت مریم ساکت و صامت کھڑی ہیں، ہر طرف

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۳۷

سے طعن و تشنیع کی بوچھاڑ ہو رہی ہے، لیکن وجہ تشنیع، وہ واقعہ ہے، جو اللہ کی مشیت کے ماتحت، اس کے حکم کے مطابق، ایک طے شدہ فیصلہ (اَمْرًا مَّقْضِيًّا) کو پورا کرنے کے لیے عمل میں آیا ہے، حضرت مریم جانتی تھیں کہ وہ بے خطا ہیں، لیکن ان کے پاس کونسا ثبوت تھا، جسے وہ اپنی برئت میں پیش کر دیتیں، وہ ہزار کہتیں کہ مجھے اس برگزیدہ مولود کے لیے فرشتوں نے بشارتیں دی تھیں ..... لیکن اسے کون باور کرتا؟ وہ جھٹ کہہ دیتے کہ یہ محض باتیں بنا رہی ہے، اس لیے معاملہ بڑی نازک صورت اختیار کر رہا تھا، آپ یہ سب کچھ سن رہی تھیں لیکن خاموش تھیں، خاموش، اس لیے تھیں کہ آپ سے، اس سے پہلے، کہہ دیا گیا تھا کہ ایسا وقت آ جائے تو اپنے روزے کے متعلق اشارہ کر دینا، لہٰذا آپ خاموش کھڑی تھیں، اب وقت تھا کہ حضرت مریم کے طرز عمل کے متعلق، ایک ایسی شہادت پیش کی جاتی جس کے بعد، اس باب میں، کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہ رہتی، اور یہ شہادت، اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی تھی کہ ان معترضین پر، یہ حقیقت منکشف کر دی جاتی کہ یہ بچہ کوئی عام بچہ نہیں بلکہ خصوصیاتِ عظمیٰ کا حامل ہے، چنانچہ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ (۲۹/۱۹) ''اس پر مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا''۔ اس پر انہوں نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا کہ یہ کیا کہتی ہو؟ سوال ہم نے تم سے کیا ہے، بجائے اس کے کہ اس کا کوئی جواب دو، ہمیں کہہ رہی ہو کہ اس بچے سے پوچھیں قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا (۲۹/۱۹) انہوں نے کہا'' بھلا اس سے ہم کیا بات کریں جو ابھی گود میں بیٹھنے والا بچہ ہے''، اس پر کیا ہوا؟ وہ بچہ بول اٹھا قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ..... فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ (۳۰ تا ۳۴/۱۹) [1]

اسی تکلم فی المهد پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تکلم فی المهد کے متعلق بہت سی تاویلیں کی جاتی ہیں تا کہ کسی طرح یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ واقعہ، حضرت عیسیٰ کی جوانی (بلکہ نبوت) کے زمانے کا ہے، لیکن قرآنی انداز بیان، اس باب میں، ان تاویلات کا متحمل نہیں ہوتا، اس لیے یہ واقعہ معجزہ کے ضمن سے تعلق رکھتا ہے۔ [2]

بدلے ہوئے ذہن کا اثر ترجمہ آیات پر

لیکن آج ''مفکر قرآن'' اسی واقعہ کو معجزہ کے ضمن سے خارج کرنے کے لیے، رکیک تاویلات پر اتر آئے ہیں، اور ٹھیک وہی موقف، بالکل اُنہی تاویلات کے ساتھ اختیار فرما رہے ہیں، جنکی وہ کل تردید کیا کرتے تھے، اور جنکے متعلق، وہ یہ کہا کرتے تھے کہ --- ''قرآنی اندازِ بیان، اِن تاویلات کا متحمل نہیں ہوتا'' --- آج وہ اپنے بدلے ہوئے موقف کی حمایت میں دور کی کوڑی لاتے ہیں، آیات کا سادہ ترجمہ کرنے کی بجائے، ''مفہوم'' بیان کرنے کا --- اور وہ بھی مجازی معنٰی کی آڑ میں --- پیچیدہ راستہ اختیار کرتے ہیں، اپنے ذہن میں، پہلے سے جمائے ہوئے تصورات کے مطابق قرآنی آیات کے مفہوم کو ڈھالنے کے لیے، ایک لمبا چوڑا مقدمہ تمہید اٹھاتے ہیں، اور پھر مطالبِ آیات کو، اس کے چاک پر گھماتے ہوئے، جیسی شکل میں چاہتے ہیں، ڈھالتے چلے جاتے ہیں۔ اب ذرا ملاحظہ فرمائیے، سورۂ مریم کی ان آیات کی تفسیرِ جدید، جو ابتداءً مع ترجمہ پیش کی جا چکی ہیں، ''مفکر قرآن'' صاحب فرماتے ہیں۔

---

[1] معارف القرآن، جلد ۳، صفحہ ۵۵۴ [2] معارف القرآن، جلد ۳، صفحہ ۵۵۶

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا(۱۹/۱۶) اے رسول! اب تو اس کتاب (قرآن مجید) میں، لوگوں سے مریم کی داستان بیان کر، ..... اس کا آغاز، اس وقت سے کر، جب وہ ہیکل چھوڑ کر (اپنے گاؤں۔ ناصرہ۔ چلی گئی تھی جو) وہاں سے جانب شرق واقع تھا۔ [1]

''مفکرقرآن'' نے اس آیت کا مفہوم صریحاً غلط بیان کیا ہے۔

داستانِ مریم کا آغاز، اس وقت سے کیا گیا ہے، جبکہ وہ ہیکل چھوڑ کر، اپنے گاؤں، ناصرہ، چلی گئی تھیں، حالانکہ آیت میں مذکور یہ ہے کہ جب وہ، اپنے اہل خانہ سے الگ ہو کر، بیت المقدس میں، جانب شرقی میں، معتکف ہو چکی تھیں، اور اعتکاف کرنے والوں کے عام طریقہ کے مطابق، انہوں نے پردہ تان لیا تھا جیسا کہ اگلی آیت فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا کے الفاظ سے ظاہر ہے، نیز ''مفکرقرآن'' کا یہ مفہوم، اس اعتبار سے بھی غلط ہے کہ ناصرہ، بیت المقدس کے شمال میں ہے (نہ کہ مشرق میں)، پھر یہ بھی کہ ناصرہ چلے جانے کی صورت میں تو وہ آبادی کے تمام لوگوں سے انتباذ اختیار کر لیتیں جبکہ آیت میں صرف اہل خانہ ہی سے انتباذ کا ذکر ہے، (اِذِانْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا)۔ اور اہل خانہ سے مریم کی یہ علیحدگی بھی، ماں کی آرزوؤں کے مطابق، نذر ہیکل ہونے کی صورت میں تھی۔

اولین بناء فاسد

اب چونکہ، اہل خانہ سے الگ ہو کر، بیت المقدس میں، اپنی ماں کی نذر کے مطابق، معتکف (نذرِ ہیکل) ہونے کی بجائے، ہیکل چھوڑ کر ناصرہ چلے جانے کی صورت میں، اساسِ واقعہ کی پہلی اینٹ ہی غلط رکھی گئی ہے، اس لیے اگلی جملہ آیات کے مفاہیم کو ردّے پر ردّا چڑھاتے ہوئے، غلط سمت دی گئی ہے، اور ہر آیت کے مفہوم و مراد کو، اپنے اسی خود ساختہ پسِ منظر کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے، چنانچہ اب فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَاباً (۱۹/۱۷) کا مطلب یہ نہیں رہا کہ اہل خانہ کو چھوڑ کر، بیت المقدس ہی میں، مشرقی جانب پردہ تان کر، مریم، معتکف ہو بیٹھیں، بلکہ مفہومِ آیت یہ قرار پایا کہ:

خانقاہ کی زندگی ترک کرنے اور اس پر لوگوں کی طعن و تشنیع سے، اس کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ وہ معاشرہ سے الگ تھلگ رہنے لگی۔ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَاباً [2]

حالانکہ یہاں مِنْ دُونِهِمْ میں واقع ضمیر هم، افرادِ معاشرہ کی طرف نہیں بلکہ اَهْلِهَا کی طرف لوٹتی ہے، جس کا ذکر، اس سے پہلی آیت میں متصل واقع ہے۔ اب ابتداء ہی میں رکھی جانے والی بنیاد کی اس ٹیڑھی اینٹ پر، اگلی آیت کی آڑ میں، اگلا ردّا یوں چڑھاتے ہیں۔

فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا(۱۹/۱۷) عام طور پر ان الفاظ کے معنی کئے جاتے ہیں۔ ''پھر بھیجا ہم نے، اس کے پاس اپنا فرشتہ، پھر بنکر آیا، اس کے آگے پورا آدمی'' ..... لیکن جیسا کہ ہم نے آیات (۴۴، ۴۵/۳) کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن کریم کی رو سے یہ نظریہ صحیح نہیں کہ ملائکہ انسانی شکل میں سامنے آتے ہیں۔ [3]

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۱۰۳ [2] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۱۰۳ [3] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۱۰۳ تا صفحہ ۱۰۴

روحنا اور رویتِ ملائکہ

یہ نظریہ کہ ملائکہ، انسانوں کو نظر نہیں آ سکتے، ''مفکرِ قرآن'' نے آیات (۴۴، ۴۵/۳) کے تحت نہیں، بلکہ آیت (۴۱/۳) کے تحت بیان کرتے ہوئے، یہ لکھا ہے۔

سورۂ توبہ میں کہا گیا ہے کہ ملائکہ نظر نہیں آیا کرتے۔ (۴۰/۹، ۲۵/۹) [1]

واقعی، ملائکہ، اپنی اصلی حالت میں بالعموم نظر نہیں آیا کرتے، لیکن بعض مخصوص حالات میں، جبکہ وہ انسانی پیکر میں نمودار ہوں تو ان کے مرئی و مشاہد ہونے میں کوئی استبعاد نہیں پایا جاتا، نیز یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ کسی ایک موقع پر ملائکہ کا نظر نہ آنا، اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ''ملائکہ مستقل طور پر، (خواہ وہ انسانی روپ ہی میں کیوں نہ نمودار ہوں) نظر نہیں آیا کرتے''، سورۃ التوبہ کی جن دو آیات کا حوالہ دیا گیا ہے، ان میں قطعاً یہ مذکور نہیں کہ ملائکہ نظر نہیں آیا کرتے، بلکہ صرف یہ مذکور ہے کہ ''ان مواقع پر، تمہیں، اللہ کے لشکر، نظر نہیں آئے''، چنانچہ آیت (۲۵/۹) کے الفاظ ہیں وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ''اس نے ایسے لشکر اتارے جو تمہیں نظر نہیں آئے''۔ اور آیت (۴۰/۹) کے الفاظ ہیں وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا ''اللہ نے اس (نبیؐ) کی تائید، ایسے لشکروں سے کی، جو تمہیں نظر نہیں آئے''۔ اب، ''تمہیں نظر نہیں آئے'' کے الفاظ کو بدل کر ''نظر نہیں آیا کرتے'' کے الفاظ میں ڈھال لینا، ایک ''مفکرانہ چابکدستی'' کے سوا اور کچھ نہیں۔ پھر ان آیات (۲۵/۹، ۴۰/۹) میں ملائکہ کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے، وہاں جنود کا ذکر ہے، بغیر کسی دلیل و قرینے کے، اسے خواہ مخواہ ملائکہ کے مفہوم میں خاص کر لینا، حقیقت رسی کی نہیں بلکہ مطلب برآری کی کوشش ہے، ملائکہ کے علاوہ بھی، اللہ تعالیٰ کے اتنے لشکر ہیں کہ انہیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ کے تحت، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں اور کیا ہی خوب فرماتے ہیں کہ:

> یعنی اللہ تعالیٰ نے، اپنی اس کائنات میں کیسی کیسی اور کتنی مخلوقات پیدا کر رکھی ہیں، اور کیا کیا طاقتیں ان کو بخشی ہیں اور ان سے کیا کیا وہ کام لے رہا ہے، ان باتوں کو، ایک اللہ کے سوا، کوئی بھی نہیں جانتا ہے، ایک چھوٹے سے کرۂ زمین پر رہنے والا انسان، اپنی محدود نظر سے، اپنے گرد و پیش کی چھوٹی سی دنیا کو دیکھ کر، اگر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے کہ خدا کی خدائی میں بس وہی کچھ ہے جو اسے اپنے حواس یا آلات کی مدد سے محسوس ہوتا ہے تو اس کی اپنی ہی نادانی ہے ورنہ یہ خدائی کا کارخانہ اتنا وسیع و عظیم ہے کہ اس کی ایک چیز کا بھی پورا علم حاصل کرنا، انسان کے بس میں نہیں ہے کجا یہ کہ اس کی ساری وسعتوں کا تصور، اسکے چھوٹے سے دماغ میں سما سکے۔ [2]

یہ درست ہے کہ فرشتے بالعموم نظر نہیں آیا کرتے، لیکن بعض مواقع پر، جبکہ انسانی پیکر میں مشہود ہو کر آئیں، ان کا نظر آنا عقلاً مستبعد بھی نہیں ہے، خود ''مفکرِ قرآن'' نے ایک مقام پر فرستادگانِ لوطؑ کو، بین القوسین وضاحت کے ذریعہ، فرشتے قرار دیا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلُوْنَ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ..... (۶۱-۶۶/۱۵) پھر جب ایسا ہوا کہ یہ بھیجے

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۸۱ [2] تفہیم القرآن، جلد ۶، صفحہ ۱۵۲

ہوئے (فرشتے) خاندانِ لوط کے پاس پہنچے، تو انہوں نے کہا کہ "تم لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہو"۔ ۱

اس سے آگے، آیت (۳۳/۲۹) کا ترجمہ، بایں الفاظ پیش کیا گیا ہے۔

.... قَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْکَ وَاَهْلَکَ اِلَّا .... (ہمارے فرستادہ) فرشتوں نے کہا "(اے لوطؑ) تو کچھ خوف نہ کر، نہ کوئی غم، ہم تجھے اور تیرے متبعین کو (اس عذاب سے، جو ہم لے کر آئے ہیں) بچا دینے والے ہیں، البتہ ۲

الغرض، پرویز صاحب ہی کے ان تراجم کی روشنی میں، حضرت لوط علیہ السلام، نہ صرف یہ کہ فرشتوں کو دیکھ رہے ہیں بلکہ ان سے ہمکلام بھی ہو رہے ہیں، جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خاص مواقع پر فرشتوں کا نظر آ جانا، عقلاً مستبعد نہیں ہے۔

اب "مفکر قرآن" کی یہاں "مفکرانہ چال" ملاحظہ فرمائیے۔

ان کی محولہ آیات (۲۵/۹ اور ۴۰/۹) میں صرف یہ مذکور ہے کہ --- "تم نے ان لشکروں (جنود) کو نہیں دیکھا، جو اللہ نے حنین کے موقع پر نازل کئے" --- یا "جن لشکروں (جنود) سے، اللہ تعالیٰ نے، غارِ حراء کے موقع پر، پیغمبر آخر الزمان کی تائید کی" --- لیکن "مفکر قرآن" نے اول، تو بغیر کسی قرینے کے، جنود (لشکروں) سے مراد، فرشتے لیے، اور ثانیاً، ان خصوصی مواقع پر، ماضی کے ان صیغوں سے، لَمْ تَرَوْهَا (تم نے نہیں دیکھے) سے یہ مستقل قاعدہ کلیہ بنا لیا کہ "فرشتے نظر آیا ہی نہیں کرتے" --- اب اس بنائے فاسد پر، ایک اور فاسد کا رڈا چڑھاتے ہوئے، "مفکر قرآن" فرماتے ہیں کہ

قرآنِ کریم نے بالتصریح کہا ہے کہ ملائکہ، انسانوں کو نظر نہیں آ سکتے، لہٰذا قرآن میں اس حقیقت کے پیشِ نظر یہ کہنا صحیح نہیں کہ حضرت جبریل، بشکلِ انسانی، حضرت مریم کے سامنے آئے تھے۔ ۳

یاد رکھئے کہ یہ ساری تمہیدی پیش بندی فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا کے اس صحیح اور متفق علیہ مفہوم کی تردید کے لیے کی جا رہی ہے جسے سلف سے لے کر خلف تک جمہور علماء پیش کرتے رہے ہیں، اور ساتھ ہی یہ مقصد بھی پیشِ نظر ہے کہ اس مفہومِ باطل کی راہ ہموار کی جائے، جس کی آخری منزل، انکارِ معجزات ہے --- بہرحال، آگے چل کر، وہ فرماتے ہیں، کہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ واقعہ، حضرت مریمؑ کے خواب کا ہے، میں بھی کبھی اسی خیال کا تھا، لیکن قرآن پاک میں مزید غور اور تحقیق سے کچھ اور بات سامنے آئی۔ ۴

"مفکر قرآن" صاحب کو "مزید غور اور تحقیق" سے کیا کچھ سمجھ آیا؟ اس کے لیے وہ پھر بنائے فاسد علی الفاسد ہی کی ٹیکنیک اختیار کرتے ہیں، یعنی پہلے ایک قرآنی واقعہ کو، اپنے خود ساختہ الفاظ کے اضافہ سے ایک خاص مفہوم عطا کرتے ہیں اور پھر اسی غلط مفہوم کی بنیاد پر، ایک اور غلط نظریہ پیدا کرتے ہیں --- ملاحظہ فرمائیے "مزید غور اور تحقیق" کا نتیجہ، جو فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا میں واقع، لفظ روح کی وضاحت کرتے ہوئے پیش کیا گیا ہے۔

روح کے معنٰی وحی کے بھی ہیں (دیکھئے لغات القرآن)، اور جب خدا کا رسول، وحیٔ خداوندی کی رو سے حاصل شدہ کسی حکم کو

---

۱ + ۲ معارف القرآن، جلد ۳، صفحہ ۹۴ . ۳ تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۱۰۴ ۴ تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۱۰۶

دوسروں تک پہنچاتا ہے، تو اسے بھی، ان لوگوں کی طرف، وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے خدا نے، اپنے کسی رسول کی وساطت سے حضرت موسیٰ کی والدہ کی طرف، حکم بھیجا کہ بچے کو دریا میں بہادے، تو اسے اَوْ حَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوسٰی (۲۸/۷) کہا گیا۔[1]

تعمیر بناءِ فاسد اور دو فاش غلطیاں

اس تمہیدی پیش بندی میں، ''مفکر قرآن'' نے دو فاش غلطیاں کی ہیں۔

اولاً ----- یہ کہ --- ''جب خدا کا رسول، وحیٔ خداوندی کی رو سے حاصل شدہ کسی حکم کو، دوسروں تک پہنچاتا ہے، تو اسے بھی ان لوگوں کی طرف وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے'' --- یہ قطعی غلط ہے، وحی شدہ حکم کو، دوسروں تک پہنچانا، وحی نہیں کہلاتا، بلکہ تبلیغ کہلاتا ہے، ساری عمر قرآن کے تحقیقی مطالعہ میں صرف کرنے والے ''مفکر قرآن'' کی نگاہوں سے شاید وہ آیت اوجھل ہی رہی، جس میں خود، رسولؐ کو بھی وحی شدہ حکم کو، لوگوں تک پہنچا دینے کا حکم دیتے ہوئے، اسے ''وحی'' کی بجائے ''تبلیغ'' کہا گیا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (المائدہ-۶۷) اے رسول! جو کچھ تیری طرف نازل کیا گیا ہے، اسے لوگوں تک پہنچا دے، اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو پھر تُو نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا۔

اگر ''مفکر قرآن'' کی بات درست ہوتی تو قرآن یہ کہتا کہ --- ''اے رسولؐ! جو کچھ تیری طرف نازل کیا گیا ہے، تو اُسے لوگوں تک وحی کر دے اگر تو نے ایسا نہ کیا و پھر تُو نے خدا کے پیغام کی وحی نہیں کی''۔

ثانیاً ----- یہ کہ، ام موسیٰ کے جس واقعہ کو مثال میں پیش کیا گیا ہے، اس میں --- ''اپنے کسی رسول کی وساطت سے'' --- کے الفاظ، خود ساختہ اضافہ ہیں، تاکہ اپنے مزعومہ معانی کو ''ثابت'' کیا جا سکے، حالانکہ وحی کے معنٰی ہیں ''مخفی طور پر یا چپکے چپکے خبر دینا''۔ یہ خفیہ اعلام، بصورت خواب بھی ممکن ہے جیسا کہ بذریعہ خواب، حضرت ابراہیمؑ کو ذبحِ پسر کا حکم دیا گیا، اور ''دل میں بات ڈال دینے'' کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے، ''خفیہ اطلاع دینے'' کے معنٰی کو، خود پرویز صاحب نے بھی، ابو اسحاق کے حوالہ سے بایں الفاظ تسلیم کیا ہے۔

ابو اسحاق نے بھی کہا ہے کہ وحی کے اصل معنی اِعْلَامٌ فِی خِفَآءٍ ہیں۔ [2]

لغات القرآن میں ام موسیٰ کی وحی کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے، لیکن اس میں --- ''اپنے کسی رسول کی وساطت'' --- کا قطعاً ذکر نہیں ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ کی والدہ کے متعلق ہے کہ اَوْ حَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوسٰی (۲۸/۷، ۲۰/۳۸) ''ہم نے ام موسیٰ کی طرف وحی کی'' کہ اس بچے کو دودھ پلا، اور جب تجھے اس کے متعلق، کوئی خطرہ لاحق ہو، تو اسے صندوق میں ڈال کر دریا میں بہا دینا'' جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ وحی، ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کی طرف بھیجی جائے، اور اس طرح اسے اس کا علم کرا دیا

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۱۰۶ [2] لغات القرآن، صفحہ ۱۶۹۵

جائے، یا اس کی طرف حکم بھیجا جائے، خواہ اس کی کیفیت یا طریق کچھ ہی ہو۔ [1]

لیکن لغات القرآن کے بعد، جب تفسیر قرآن کا موقع آیا، تو ''مفکر قرآن'' کو ''مزید غور اور تحقیق'' کے نتیجہ میں خود ساختہ اضافہ کرتے ہوئے، یہ کہنا پڑا کہ ''..... جیسے خدا نے، اپنے کسی رسول کی وساطت سے، حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی طرف حکم بھیجا کہ بچے کو دریا میں بہا دے تو اسے اَوۡ حَیۡنَا اِلٰی اُمِّ مُوسٰی کہا گیا''۔

یہ ہے ''مفکر قرآن'' کی لغوی تحقیقات کا ایک نمونہ۔ ان کی لغات القرآن، اسی قسم کی لغوی تحریفات کا پلندہ ہے، جسے وہ اپنی لغوی تحقیقات کی ''کوہ کنی اور خارہ شگافی'' سے تعبیر کیا کرتے تھے۔

اَرۡسَلۡنَا اِلَیۡھَا رُوۡحَنَا

بہر حال، ''مفکر قرآن'' اپنی اس تمہیدی پیش بندی کے بعد، اب فَاَرۡسَلۡنَا اِلَیۡھَا رُوۡحَنَا کا وہ مفہوم پیش کرتے ہیں، جو ان کے ''مزید غور اور تحقیق'' کا نتیجہ ہے۔

> ان تصریحات کی روشنی میں اَرۡسَلۡنَا اِلَیۡھَا رُوۡحَنَا کے معنٰی ہوں گے --- ''خدا نے حضرت زکریاؑ کی وساطت سے، حضرت مریم کی طرف پیغام بھیجا'' --- حضرت زکریاؑ نے یہ پیغام اس شخص کی معرفت بھیجا، جسے انہوں نے حضرت مریم کے ساتھ نکاح کے لیے منتخب اور آمادہ کیا تھا (یعنی اناجیل کے بیان کی رو سے یوسف نجار) بَشَرًا سَوِیًّا سے یہی نوجوان مراد ہے۔ اب رہا لفظ تمثل، سو لغت کی رو سے، اسکے معنٰی ''داستان زدن'' یعنی بات کرنے کے بھی آتے ہیں۔ [2]

سبحان اللہ! یک نہ شد، دو شد! اللہ نے اپنا پیغام ''زکریاؑ کی وساطت'' سے بھیجا، اور پھر آگے زکریاؑ نے خود پیغام لیجانے کی بجائے، یوسف نجار کے ذریعہ بھیجا، حالانکہ آیت میں صرف رُوۡحَنَا کا لفظ ہے، جو بہر حال، ایک ہی ہستی پر دلالت کرتا ہے، قرآن میں، اس مقام پر، نہ تو زکریاؑ ہی کی طرف پیغام رسانی کا ذکر ہے اور نہ یوسف نجار کی معرفت ارسالِ پیغام کا ہی ذکر ہے، آخر یہ خود ساختہ اضافے کیوں؟

خالی جگہ پر کرو - ''لطیف انداز تفسیر''

> اس کا جواب ''مفکر قرآن'' صاحب، ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کے مصداق، ان الفاظ میں دیتے ہیں۔
>
> قرآن کریم، کسی واقعہ کی تمام کڑیاں بالترتیب خود ہی بیان نہیں کر دیتا، ان کے درمیان (Gaps) چھوڑ دیتا ہے کہ ہم اپنے فہم و بصیرت سے پُر کر لیں، اسے (Fill in the blanks) کا طریق کہتے ہیں، جو ادبی نقطۂ نگاہ سے بڑا لطیف انداز بیان ہوتا ہے۔ [3]

اور ''مفکر قرآن'' یہ (Fill in the blanks) کرتے بھی ہیں، تو سابقہ تحریف شدہ کتب کی رو سے، (یعنی اناجیل

---

[1] لغات القرآن، صفحہ ۱۶۹۵

[2] + [3] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۱۰۶

کے بیان کی رو سے یوسف نجار) کہ ''بَشَراً سَوِیًّا سے یہی نوجوان مراد ہے''۔

اب ایک شخص، اناجیل جیسی مسخ وتحریف اور تغیر وتبدل کا شکار کتب سے بے نیاز ہوکر فَاَرْسَلْنَا اِلَیْھَا رُوْحَنَا کا ترجمہ --- ''پس ہم نے، اس کے پاس اپنی روح (یعنی فرشتے) کو بھیجا'' فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَراً سَوِیًّا ''وہ بھلے چنگے انسان کی شکل میں نمودار ہوا'' --- کے الفاظ میں کرتا ہے، تو وہ شخص، بڑا بدذوق ہے جو نہ تو اس آیت میں خلا (Gaps) کا قائل ہے، اور نہ ہی وہ ترجمہ وتفسیرِ قرآن میں وہ طریقہ اختیار کرتا ہے جو'' خالی جگہ پُر کرو'' کا طریقہ کہلاتا ہے، اور جو ادبی نقطۂ نگاہ سے ''بڑا لطیف اندازِ بیان'' ہوتا ہے، لیکن، اس کے برعکس، جو شخص یہ کہتا ہے کہ آیت (۱۹/۱۷) میں خلا (Gaps) موجود ہیں، جنہیں (Fill in the blanks) کے طریق پر یوں پُر کیا جائے گا کہ --- ''خدا نے حضرت زکریاؑ کی وساطت سے، حضرت مریم کی طرف پیغام بھیجا، حضرت زکریاؑ نے یہ پیغام، (حضرت مریم کے پاس خود لیجانے کی بجائے)، اس شخص کی معرفت بھیجا جسے انہوں نے حضرت مریم کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے منتخب اور آمادہ کیا تھا، (یعنی اناجیل کے بیان کی رو سے یوسف نجار) --- تو وہ گویا ترجمہ وتفسیرِ قرآن میں: ''بڑا لطیف اندازِ بیان'' اختیار کرتا ہے، اور باقی سب لوگ ''کثیف انداز بیان'' اپناتے ہیں۔

اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ، وہ قرآن کی تفسیر، قرآن ہی سے کرنے کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن ''قرآنی خلاء'' کو پُر کرنے کے لیے سہارا اناجیل سے لیتا ہے۔

خیر آگے بڑھئے، آیت (۱۹/۱۷) کا معنی، ابھی تشنۂ وضاحت ہے، جسے ''لہٰذا .....'' کے ذریعہ مکمل کیا جاتا ہے۔

لہٰذا، آیت (۱۹/۱۷) کے معنی یہ ہوں گے کہ حضرت مریم، ان پریشانیوں میں افسردہ خاطر رہتی تھیں کہ حضرت زکریاؑ نے ان کی طرف، خدا کا پیغام دے کر، ایک نوجوان کو بھیجا، اس اجنبی نوجوان کو دیکھ کر حضرت مریم نے کہا قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا..... [1]

لیکن، فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَراً سَوِیًّا میں واقع لفظ تَمَثَّلَ کا معنیٰ ''داستان زدن یعنی بات کرنا'' مفکرِ قرآن نے، جو بیان کیا ہے، وہ تو کہیں ترجمہ ومفہوم میں راہ پا ہی نہیں سکا، آخر یہ کیوں؟ کیا یہ لفظ ''زوائدِ قرآن'' میں سے ہے؟

ماشاءاللہ! کیا ہی ''لطیف اندازِ تفسیر'' ہے کہ آیت میں، جو (Gaps) ظاہر کئے گئے ہیں، انہیں تو اناجیل کی رو سے پُر کر دیا گیا، لیکن سوال یہ ہے کہ ''مفکرِ قرآن'' نے، تمثل کے معنی ''داستان زدن'' کا جو خلا (Gap) خود پیدا کیا ہے، اسے آخر کون پُر کرے گا؟

جو آگ لگائی تھی تم نے، اُسکو تو بجھایا اشکوں نے
جو اشکوں نے بھڑکائی ہے، اُس آگ کو ٹھنڈا کون کرے

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۳، صفحہ ۱۰۶

تمثل کا صحیح معنی و مفہوم

رہا لفظ تَمَثَّل، تو اس کا اصل معنیٰ ''صورت پکڑنا'' یا ''شکل اختیار کرنا'' ہے، خود پرویز صاحب نے، لغات القرآن میں، اسی معنیٰ کو اختیار کیا ہے، ملاحظہ فرمایئے درج ذیل اقتباس۔

سورہ مریم میں، جہاں ہے فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (۱۹/۱۷) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ حضرت مریم کی نگاہ میں، ایک متوازن انسان کی شکل میں سامنے آیا۔ [1]

رہا تَمَثَّل کا معنی، ''بات کرنا'' یا ''بیان کرنا'' تو یہ صرف، اسی صورت میں ہے جبکہ تمثل کے ساتھ کوئی قرینہ پایا جائے، جیسے تَمَثَّلَ الحَدِيثُ یا تَمَثَّلَ بِالحِدِيثِ جبکہ آیت میں نہ صرف یہ کہ ایسا کوئی قرینہ نہیں ہے، بلکہ الٹا تَمَثَّلَ لَهَا بَشَراً سَوِياً کا قرینہ، اسے ''شکل اختیار کرنے'' کے معنیٰ میں خاص کر دیتا ہے۔

داستان مریم کی اگلی کڑی

اب یہ ''داستان'' آگے بڑھتی ہے جس میں ''زدن'' کا کام، ''مفکر قرآن'' خود، مگر بایں الفاظ انجام دیتے ہیں۔

اس اجنبی نوجوان کو دیکھ کر حضرت مریم نے کہا قَالَتْ إِنِّيٓ أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا (۱۹/۱۸) ''اگر تو خدا کے قانون کا احترام کرتا ہے، تو میں تجھ سے خدائے رحمٰن کی پناہ میں آ جانا چاہتی ہوں''، اس نوجوان نے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں قَالَ إِنَّمَآ أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَٰمًا زَكِيًّا (۱۹/۱۹) ''میں تیرے رب کی طرف سے ایک پیغام لے کر آیا ہوں، یہاں لفظ ''رب'' سے مراد، اللہ تعالیٰ بھی ہو سکتا ہے، اور اگر اس کے لغوی معنوں میں ''پرورش کرنے والا'' (مربی) لیا جائے، تو اس سے مراد حضرت زکریا ہوں گے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ مفہوم زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ [2]

قرآن سے ''مفکر قرآن'' کا سلوک

غور فرمایئے کہ قرآن کریم کو کس طرح چیستاں بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، گویا یہ حقائق کی نہیں بلکہ پہیلیوں کی کتاب ہے، الفاظ کو ان کے اصل مفہوم و معنیٰ سے پھیر دینا، ''لطیف انداز بیان'' ہے، اور خدائی کلام کی توضیح و تشریح میں، حدود الفاظ کو ملحوظ رکھنا، گویا ''کثیف اندازِ بیان'' ہے، صحیح اور درست ترجمہ کو ''عام طور پر کیا جانے والا لفظی ترجمہ'' یا ''مروجہ ترجمہ'' کہہ کر، استخفاف کا نشانہ بنایا جاتا ہے، اور قرآنی الفاظ کی لغوی اور لفظی پابندیوں سے بے نیاز ہو کر تشریح و تفصیل کرنے کو، نیز الفاظ کی مسرفانہ بھرمار کے ساتھ، خود ساختہ افکار و تصورات کے پیش کرنے کو، ''مفہوم القرآن'' قرار دیا جاتا ہے، اور پھر اسکے ساتھ ہی، قرآن کے بارے میں، یہ بلند بانگ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (۶/۳۸) یہی نہیں کہ یہ مکمل کتاب ہے، نہایت واضح بھی ہے، اس میں کوئی ابہام نہیں۔ [3]

پھر اس واضح، مکمل اور غیر مبہم کتاب کی تشریح و توضیح اور تفصیل و تفسیر، اناجیل کی روشنی میں کی جاتی ہے، جن کا محرف

---

[1] لغات القرآن، صفحہ ۱۵۲۳ [2] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۱۰۶ [3] طلوعِ اسلام، جولائی ۱۹۸۳ء، صفحہ ۲۱

ہونا، اور خود ساختہ بشر ہونا، خود ''مفکر قرآن'' بھی تسلیم کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ توراۃ اور انجیل وغیرہ، کتب سابقہ میں تحریف ہو چکی ہے، اس لیے ان میں بیان کردہ واقعات صحت پر مبنی نہیں، صحیح واقعات وہ ہیں جو قرآن میں بیان کئے گئے ہیں۔ [1]

یقیناً، قرآن ہی کے واقعات درست ہیں، لیکن ''مفکر قرآن'' صاحب، قرآن کی درستگی اور صحت کا ڈھنڈورا بھی پیٹتے ہیں اور پھر سابقہ کتب محرفہ کی بنیاد پر، قرآن کی تشریح بھی کرتے ہیں، اور کچھ واقعات، وہ بیان کرتے ہیں جو قرآن مین قطعاً نہیں ہیں، (بلکہ شاید کتب محرفہ میں بھی نہیں ہیں) انہیں ''مفکر قرآن'' خود اپنی خلاقیٔ دماغ سے پیش کرتے ہیں، آخر، اسی زیر بحث معاملہ میں، (۱) اللہ تعالیٰ کا حضرت زکریاؑ کو مریم کے لیے پیغام دینا، اور (۲) پھر ان کی طرف سے یہ پیغام، یوسف نجار کے ذریعہ مریم کو پہنچانا، اور (۳) یوسف نجار کو مریم سے شادی کے لیے آمادہ کرنا، وغیرہ، کس قرآن میں مذکور ہے؟

خلوتِ گاہ مریم میں آنے والا کون

اگر مریم کے سامنے آنے والا، خود مریم ہی کا منگیتر تھا، جسے وہ خود جانتی تھیں کہ سیرت و کردار کے لحاظ سے کیسا آدمی ہے، تو پھر اسے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ ''اگر تو متقی شخص ہے تو میں تجھ سے خدائے رحمٰن کی پناہ میں آنا چاہتی ہوں''۔ اور اگر وہ بُرا آدمی سمجھتیں تو اول تو اس کی منگنی ہی، اس سے نہ ہوتی، اور دوسرے، اسکے سامنے آجانے پر، شک کے انداز میں یہ نہ کہتیں کہ اِنْ کُنْتَ تقیًّا (اگر تو صاحب تقویٰ ہے تو .....)، بلکہ پورے حتم و یقین کے ساتھ، اُسی طرح خدا سے استعاذہ کرتیں، جسطرح حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو بُرا شخص جانتے ہوئے، پورے وثوق و تیقن کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا چاہا تھا۔

اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ (المومن-۲۷) میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ پکڑتا ہوں، ہر متکبر شخص سے، جو یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔

لیکن اگر مریم، اسے ایک نیک اور پارسا فرد کی حیثیت سے جانتی ہوتیں، تب بھی وہ یہ کہہ کر شک و شبہ کا اظہار نہ کرتیں کہ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا (اگر تو صاحب تقویٰ ہے تو .....) - اس سے واضح ہے کہ مریم کے سامنے کوئی ایسا شخص نمودار ہوا تھا جسے وہ قطعاً نہیں جانتی تھیں، اور فَاَرْسَلْنَا اِلَیْھَا رُوْحَنَا میں روح سے مراد فی الواقع فرشتہ ہی ہے جو انسانی روپ میں، مریم کے سامنے ظاہر ہوا تھا، جیسا کہ کبھی خود پرویز صاحب نے بھی لکھا تھا:

> حضرت مریم علیہ السلام کے متعلق بھی یہ آیا ہے کہ فرشتہ ان کے سامنے متمثل ہو کر آیا فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِھِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا (۱۹/۱۷) ''پھر اس نے ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا، پس ہم نے اس کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا اور وہ ایک بھلے چنگے آدمی کے روپ میں نمایاں ہو گیا''۔ [2]

آگے چل کر، ''مفکر قرآن'' کو یاد آجاتا ہے کہ تمثّل کا معنیٰ ''داستان زدن'' تو مفہوم آیت میں آ ہی نہیں سکا، تو وہ

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۸۴ [2] معارف القرآن، جلد ۲، حاشیہ بر صفحہ ۱۷۴

اس کی یوں تلافی کرتے ہیں۔

> اس سے پہلے فَتَمَثَّلَ کے لفظ نے اس طرف اشارہ کر دیا تھا کہ اس نوجوان نے ساری بات بڑی تفصیل سے بیان کر دی تھی اور اس کا ملخص یہ تھا کہ مشیّتِ خداوندی یہی چاہتی ہے قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا (۲۰/۱۹) جیسا کہ آیت (۳/۴۰) کے تحت بیان کیا جا چکا ہے، حضرت مریمؑ نے کہا کہ '' میں نے نہ شادی کی ہے اور نہ ہی میں (معاذ اللہ) حرامکاری کی مرتکب ہوئی ہوں تو میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ (۲۱/۱۹) اس نے کہا کہ ایسا کچھ خدا کے قانونِ تخلیق کے مطابق ہوگا۔ [1]

چند قابلِ غور باتیں

چھوڑ یئے اس بات کو کہ ترتیبِ واقعات میں، تمثّل بمعنیٰ '' داستان زدن'' کی کڑی کہیں راست بیٹھتی بھی ہے یا نہیں؟ اور فی الحال اسے بھی نظر انداز کیجئے کہ اس کڑی کو جبراً کہیں نصب کر دینے کی صورت میں، واقعات کی ترتیب میں کہاں تک ابتری واقع ہوتی ہے؟ سوچنے اور غور وفکر کے لائق بات تو یہ ہے کہ

(۱) ----- بچے کی خوشخبری پا کر، کنواری مریم خوش ہونے کی بجائے گھبرا اٹھتی ہے، اور اظہارِ تشویش وحیرت کرتے ہوئے یہ کہتی ہے کہ '' نہ آج تک مجھے کسی بشر نے چھوا اور نہ ہی میں بدکار عورت ہوں، تو ایسی حالت میں بچہ کیسے پیدا ہوگا؟ جواباً خدا کی طرف سے فرشتہ کہتا ہے کہ كَذٰلِكِ '' اسی طرح''، یعنی اسی حالت میں، کہ نہ تجھے کسی بشر نے چھوا، اور نہ ہی تو نے ارتکاب بدکاری کیا، اب یہ مفہوم چونکہ صریح طور خارقِ عادت امر ہے، اس لیے اس سے گریز کی خاطر، كَذٰلِكِ کا مفہوم، یہ، تراشا گیا ہے کہ --- ''ایسا کچھ خدا کے قانونِ تخلیق کے مطابق ہوگا'' --- جسکا تقاضا یہ ہے کہ مریم، ہیکل کی زندگی ترک کر کے، ازدواجی زندگی میں داخل ہو، چنانچہ اس تقاضا کو پورا کرنے کے لیے وہ فرماتے ہیں کہ

> حضرت مریم کے دل سے ضوابط خانقاہیت سے سرکشی برتنے کے عواقب کا خیال دور ہو گیا، ان کی شادی، اس شخص سے ہو گئی، فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا (۲۲/۱۹) مریم کو ہونے والے بچے کا حمل قرار پا گیا، لیکن چونکہ اس معاشرہ میں طعن وتشنیع نے ابھی تک ان کا پیچھا نہ چھوڑا تھا، انہوں نے مناسب سمجھا کہ وہ اس گاؤں سے کہیں دور چلے جائیں، تاکہ بچے کی ولادت، کسی ایسی جگہ ہو، جہاں اُن کی جان پہچان کا کوئی نہ ہو۔ [2]

اگر یہی بات تھی کہ حضرت مریم کے ہاں، معمول کے معروف اور فطری طریقہ سے بچہ پیدا ہونے والا تھا، جس طرح دنیا میں، عورتوں کے ہاں ہوا کرتا ہے، اور اگر حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش فی الواقع، اسی طرح ہوئی ہوتی، تو قرآن کا یہ سارا بیان (جو فرشتے اور مریم کی باہمی گفتگو کو بھی محیط ہے) قطعی مہمل ٹھہرتا ہے، جو سورہ مریم، سورہ آل عمران اور دیگر مقامات پر، ولادت مسیحؑ کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔

(۲) ----- پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کو اِلٰه و ابن الله، صرف اسی

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۱۰۶ تا صفحہ ۱۰۷

[2] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۱۰۷

وجہ سے تو سمجھا تھا کہ ان کی پیدائش غیر فطری طور پر، بغیر باپ کے ہوئی تھی، اور یہود نے حضرت مریم پر الزام بھی اسی وجہ سے لگایا تھا کہ ایک غیر شادی شدہ خاتون (مریم) کے ہاں، بچہ پیدا ہوا تھا، اگر یہ سرے سے کوئی واقعہ ہی نہ تھا، تب ان دونوں گروہوں کے خیالات کی تردید میں، بس اتنا کہہ دینا کافی تھا، کہ --- ''تم لوگ غلط کہتے ہو، مریم ایک شادی شدہ خاتون ہے، فلاں شخص، اس کا شوہر تھا، اور اسی کے نطفہ سے عیسیٰؑ پیدا ہوئے تھے'' --- یہ مختصر سی دوٹوک بات کرنیکی بجائے، آخر اتنی لمبی تمہیدیں اٹھانے، اور پیچ در پیچ بات کرنے، اور صاف صاف مسیح ابن فلاں کہنے کی بجائے، مسیح ابن مریم کہنے کی آخر کیا ضرورت تھی، جس سے بات سلجھنے کی بجائے الجھ جائے، پس وہ لوگ، جو قرآن کو کلام اللہ مانتے ہیں، اور پھر مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ بھی ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی ولادت، حسب معمول، ماں اور باپ کے اتصال سے ہوئی تھی، وہ دراصل ثابت یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ، اظہار مافی الضمیر اور بیانِ مدعا کی، اتنی قدرت بھی نہیں رکھتے ہیں، جتنی خود یہ حضرات رکھتے ہیں۔

(۳) ----- علاوہ ازیں، ایک اور بات بھی قابل غور ہے، اور وہ یہ کہ اگر، فی الواقع عیسیٰ کی پیدائش، زوجین میں صنفی مواصلت ہی کا نتیجہ تھی، تو آخر وضع حمل کے وقت، گھر چھوڑ کر جانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا فطری پیدائش کے موقع پر، عورتیں، اسی طرح، گھر چھوڑ کر بیابان میں جا کر، بچے کو جنم دیا کرتی ہیں؟ اس سوال کا جواب، ''مفکر قرآن'' نے یہ دیا ہے کہ چونکہ رسم خانقاہیت میں، کسی منذورہ (نذر شدہ خاتون) کا نکاح ہو نہیں سکتا تھا، اس لیے نکاح کے بعد، انہیں احبار و رہبان کے طعن و تشنیع اور لعنت ملامت کا خوف تھا، لیکن، یہ سخن سازی بوجودہ، لغو، مہمل بلکہ باطل ہے۔

اولاً --- اس لیے کہ خود، ''مفکر قرآن'' کے اپنے قول کے مطابق، مریم نے جونہی ارادۂ نکاح کے پیشِ نظر، رسم خانقاہیت کو توڑ ڈالا، تو اسی وقت، اللہ تعالیٰ نے، خود ان کے متوقع خوف، اور احبار و رہبان کی لعنت ملامت کے عواقب کا خدشہ ختم کر ڈالا تھا اور وہ ذہنی طور پر بالکل مطمئن اور آسودہ حال ہو چکی تھیں، جیسا کہ ان کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

> چنانچہ رفتہ رفتہ وہ موانع دور ہو گئے، ادھر مریم کے دل میں رسم خانقاہیت کی غلط رسم کی خلاف ورزی کا خوف دور ہو گیا، ادھر ایک شخص، یکل کے احبار و رہبان کی تنبیہ و تخویف کے باوجود، مریم کے ساتھ شادی کرنے پر رضامند ہو گیا۔ [1]

ظاہر ہے کہ جب احبار و رہبان کی طرف سے لعنت ملامت کا یہ خوف ہی نہ رہا تھا تو پھر، وضع حمل کے لیے گھر بار چھوڑنے کا باعث، اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ مریم، ایک ایسے بچے کو جنم دینے کے لیے گھر سے نکل رہی تھیں، جس کا حمل بغیر صنفی مواصلت کے، قرار پایا تھا، نیز، اسکے علاوہ، یہ امر بھی، اس کا مؤید ہے کہ اگر وہ، رسم خانقاہیت ہی کی خلاف ورزی کے باعث، اجنبی ماحول میں پناہ لینا چاہتیں، تو یکل سے نکلتے ہی (جب اس نے خانقاہیت کو خیر باد کہا تھا، تو اسی وقت)، وہ گھر چھوڑ کر چلی جاتیں، کجا یہ کہ وہاں کچھ عرصہ تک ٹھہرے رہتیں، نکاح کرتیں، حمل قرار پاتا، اور پھر وضع حمل کے وقت وہ اجنبی ماحول میں پناہ لینے کے لیے گھر سے نکلتیں۔

---

[1] مفہوم القرآن، آیت (۲۲/۱۹)، صفحہ ۶۸۹

ثانیاً --- اس لیے کہ رسم خانقاہیت میں، اگرچہ عام طور پر منذورات، شادی نہیں کرتی تھیں، لیکن اگر وہ ایسا کرنا چاہتیں، تو پھر خانقاہیت کا کوئی ضابطہ، رکاوٹ بھی نہیں بنتا تھا، خود پرویز صاحب نے انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ

عام طور پر، ان عورتوں کی شادی کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا، اگرچہ بعض اوقات ایسا کر بھی لیا جاتا تھا۔ [1]

ولادت پسر پر اعتراضات کی بوچھاڑ کیسی؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی معجزانہ پیدائش سے انکار کی روش نے، قدم قدم پر، سوالات کا لامتناہی سلسلہ پیدا کر دیا ہے، سوال یہ ہے کہ اگر مریم نے واقعی، ازدواجی زندگی میں، داخل ہو کر، فطری اور معروف طریقہ سے، بچے کو جنم دیا تھا، تو پھر ولادتِ عیسیٰ کے بعد، جب وہ اسے اٹھائے ہوئے قوم کے پاس آئی تھیں، تو قوم نے کیوں اسے سرزنش کرتے ہوئے، یہ کہا تھا کہ

قَالُوْا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا○ يَآ أُخْتَ هَارُوْنَ مَا كَانَ أَبُوْكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا (مریم - ۲۷، ۲۸) لوگ کہنے لگے "اے مریم! تو نے بڑا پاپ کر ڈالا، اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ ہی کوئی بُرا آدمی تھا، اور نہ تیری ماں ہی کوئی بدکار عورت تھی۔

باپ کے "بُرا نہ ہونے" کے بالمقابل، ماں کے "بدکار نہ ہونے" کا بیان، اس امر کی دلیل ہے کہ اعتراض کا ہدف، مریم کی عفت وعصمت سے متعلق ہے نہ کہ، رسم خانقاہیت کی خلاف ورزی کے متعلق۔ لیکن ہمارے "مفکر قرآن" صاحب، اس سوال کا جواب پیش کرنے کے لیے پھر انحراف کی راہ اپناتے ہیں، جس کی بنا پر، ان کے نزدیک، لوگوں کے اعتراض وطعن کی اصل وجہ، کنواری مریم کے بیٹا جن دینے کا عمل نہیں ہے، بلکہ قوانینِ ہیکل کی خلاف ورزی کر کے، متاہل زندگی گزارنے کا عمل ہے، چنانچہ وہ، ان آیات کا مفہوم، ایک خودساختہ تمہیدی اقتباس کے بعد، بایں الفاظ بیان کرتے ہیں۔

(۲۷) چنانچہ وہ لوگ مریم سے کہتے کہ تم نے پہلے خود بھی عجیب وغریب حرکت کی اور اسکے بعد، اسی قسم کا انوکھا بیٹا لے کر آ گئیں۔

(۲۸) وہ اس سے کہتے کہ "اے اخت ہارون! نہ تو تیرا باپ بُرا آدمی تھا، نہ ہی تیری ماں نے کبھی ہیکل کے قوانین وضوابط سے سرکشی کی تھی۔ [2]

گویا، قوم کے معترضین کا مریم کو لعن طعن کرنا، اس لیے نہیں تھا کہ اس نے تاکتخدا ہونے کے باوجود، بچے کو جنم دیا تھا بلکہ اس لیے تھا کہ اس نے ہیکل کے قوانین کی خلاف ورزی کی تھی، حالانکہ شادی کرنے میں، قوانینِ ہیکل، رکاوٹ نہ تھے، شادی نہ کرنے کی روایت ہو تو ہو، مگر قانونی طور پر، ایسا کرنا، قوانینِ ہیکل کی مخالفت ہرگز نہ تھی، کیونکہ "بعض اوقات، ایسا کر بھی لیا جاتا تھا"، اور جب دورِ ماضی میں ایسا کرنے پر، کبھی ہنگامہ برپا نہیں ہوا، تو اب اس ہنگامہ آرائی کا جواز کیا؟ کیسا؟ اور کیونکر؟ اس سے

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد ۳، صفحہ ۴۹۷ بحوالہ تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۷۵ [2] مفہوم القرآن، صفحہ ۶۹۰ تا صفحہ ۶۹۱

بھی واضح ہے کہ قوم کی طرف سے یہ ہنگامہ آرائی اور اعتراضات کی بوچھاڑ، لعنت ملامت کی یلغار کا سبب، قوانینِ ہیکل کی مخالفت نہ تھی، بلکہ کنواری مریم کے بچہ جن دینے کا عمل تھا۔

لفظ بغیاً اور ''مفکرِ قرآن''

''مفکرِ قرآن'' کی طرف سے بغیاً کا یہ معنٰی کہ ''قوانینِ ہیکل سے سرکشی برتنے والا'' پیش کیا جانا، قطعی طور پر غلط ہے، اس کا معنٰی، فی الواقع ''زنا کار''، یا ''بدکاری کرنے والا'' ہی ہے، کسی اور نوعیت کا گناہ کرنا، اس لفظ کے مفہوم میں شامل نہیں ہے، خود پرویز صاحب نے لغات القرآن میں یہ لکھا ہے:

بَغَتِ الْمَرْءَۃُ بِغَاءً ا : عورت اپنی حدودِ عفت سے بڑھ گئی اور زنا کی مرتکب ہوگئی، بَغِیٌّ اور بَغُوٌّ زنا کار، عورت کو کہتے ہیں۔[1]

لیکن لغات القرآن کے اگلے ہی صفحہ پر، وہ اپنی اس تحقیق سے پھر جاتے ہیں، اور اسی بَغِیٌّ کے لفظ کے بارے میں، ایک اور معنٰی گھڑ ڈالتے ہیں۔

> سورہ نور میں البغاء کا لفظ ''زنا کاری'' کے لیے آیا ہے (۲۴/۳۳)، لیکن سورہ مریم میں بَغِیًا کا لفظ ''حدود شکن'' کے لیے (۱۹/۲۰) آیا ہے، خاص طور پر زنا کار کے لیے نہیں، یعنی حضرت مریم نے کہا کہ میں ہیکل میں (Nun) کی زندگی بسر کر رہی ہوں اور (Nun) کے متعلق، ''قانون شریعت'' یہ ہے کہ وہ تجرد کی زندگی بسر کریں، میں نے اس قانون کو نہیں توڑا، واضح رہے کہ ہیکل کے احبار و رہبان، حضرت مریم کے خلاف، یہ الزام عائد کرتے تھے، کہ اس نے ہیکل سے نکل کر متاہل زندگی اختیار کر لی ہے، اور یہ چیز شریعتِ خانقاہیت کے خلاف ہے، اس لیے انہوں نے کہا تھا کہ تیری ماں تو ان حدود شریعت کو نہیں توڑتی تھی (۱۹/۲۸)، تو نے حدود شکنی کیسے اختیار کر لی؟ [2]

جب کوئی آدمی حقیقت کو نہ ماننا چاہتا ہو، اور حقیقت واقعہ کو پس پشت ڈال کر، خود بات بنانے کا عادی ہو، تو اپنی اس سخن سازی کے دوران، خواہ وہ کتنا ہی چوکنا اور بیدار مغز ہو کر، تسویلِ نفس سے کام لے، بہر حال، اس کی اس کارروائی میں، کوئی نہ کوئی جھول یا خلاء یا کوئی اور عیب واقع ہو کر رہتا ہے، جو اس کی سخن سازی کی قلعی کھول دیتا ہے۔

اب یہاں تو ''مفکرِ قرآن'' نے یہ فرمایا کہ --- ''(Nun) کے متعلق، قانونِ شریعت یہ ہے کہ وہ تجرد کی زندگی بسر کریں'' --- لیکن، اس سے پہلے، وہ، انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے حوالہ سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ --- ''عام طور پر ان عورتوں کی شادی کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا، اگر چہ بعض اوقات ایسا کر بھی لیا جاتا تھا'' --- لہٰذا، شادی نہ کرنا، کوئی قانونِ شریعت نہ تھا، بیش از بیش اسے صرف روایت کا درجہ حاصل تھا، اور روایت بھی ایسی، جس کی کبھی مخالفت بھی کر لی جاتی تھی، معلوم ہوتا ہے کہ خود ''مفکرِ قرآن'' نے اپنے موقف کی اس کمزوری اور تضاد کو محسوس کیا، پھر ایک دوسری سخن سازی کے ذریعہ، خالصتاً تسویلِ نفس سے کام لیتے ہوئے، اسے یوں رفع کرنے کی کوشش کی۔

---

[1] لغات القرآن، صفحہ ۳۳۵ [2] لغات القرآن، صفحہ ۳۳۶

شروع میں ہیکل کا ضابطہ یہ تھا کہ راہبات، زمانہ قبل از بلوغ تک، ہیکل میں رہتی تھیں، پھر اس میں یہ ترمیم کی گئی کہ انہیں ساری عمر، راہبہ کی حیثیت سے رہنا ہوگا، عام حالات میں، انہیں تجرد کی زندگی بسر کرنی ہوتی تھی، لیکن بعض خاص حالات میں، ہیکل کے پجاریوں میں سے کسی کے ساتھ، ان کی شادی ہوسکتی تھی، وہ نہ تو ان پجاریوں کی جماعت سے باہر کسی سے شادی کر سکتی تھیں، اور نہ ہی ہیکل چھوڑ کر جا سکتی تھیں، اس ضابطہ کی خلاف ورزی، شرعی جرم کا ارتکاب قرار پاتا تھا، ان کی شریعت، کسی راہبہ کی پجاریوں سے باہر، کسی مرد سے شادی کو جائز نکاح قرار نہیں دیتی تھی۔ [1]

اب اس سخن سازی سے "مفکر قرآن" نے دو فائدے اٹھائے۔

اولاً --- یہ کہ گویا، اس سے انہوں نے اپنے تضاد کو رفع کر ڈالا۔

ثانیاً --- یہ کہ، ایک ایسا پس منظر بھی گھڑ ڈالا، جس میں بَغِیًّا کا معنی "حدود شکن" مراد لینے کی گنجائش نکالی جا سکے۔

علاوہ ازیں، دنیا جہان کی کوئی سی کتاب لغت، اٹھا لیجئے، بَغِیٌّ کا معنٰی "زنا کار" ہی کے لیے مخصوص ہوگا، "مفکر قرآن" محض، اپنی بات بنانے کے لیے، یہ لغوی انحراف اختیار کر رہے ہیں، سورہ مریم میں، جہاں بھی بَغِیًّا کا لفظ آیا ہے، وہ فی الواقع "زنا کار" ہی کے معنٰی میں آیا ہے، (نہ کہ ہیکل کے قوانین وضوابط کے توڑنے والے کے معنٰی میں)۔ پھر یہ حدود شکنی ہے بھی نہیں، کیونکہ (Nuns) کا متابل زندگی اختیار کرنا، خلافِ ضابطہ تھا ہی نہیں، کیونکہ خود ان کے ہاں، "بعض اوقات ایسا کر بھی لیا جاتا تھا"۔

مزید برآں، اگر یہاں فی الواقع "حدود شکن" ہی کا معنٰی مراد ہوتا، تو لفظ بَغِیًّا کی بجائے، بَاغِیَۃً ہوتا جیسا کہ فِئَۃٌ بَاغِیَۃٌ کی ترکیب میں واقع ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ لغات القرآن لکھتے وقت، تو "مفکر قرآن" نے یہ طے کر دیا کہ سورہ مریم میں بَغِیًّا کا لفظ "حدود شکن" کے معنٰی میں آیا ہے، لیکن ایک مدت کے بعد، جب تفسیر مطالب الفرقان لکھی، تو اس میں، اس لفظ کا پھر وہی سابق معنٰی، پیش کیا گیا۔

یہاں مَسَّ بَشَر، بَغِیًّا کے مقابلہ میں آیا ہے، بغیًّا سے مراد، ناجائز اختلاط ہے۔ [2]

سورہ مریم کی دو ہی آیات میں، بَغِیًّا کا لفظ آیا ہے، (آیت ۲۰، اور آیت ۲۸ میں) دونوں جگہ، اس کا معنٰی بدکار اور زنا کار ہی ہے، حتی کہ خود، پرویز صاحب نے بھی درج ذیل اقتباسات میں، اس لفظ کے اسی معنٰی کو اختیار کیا ہے۔

(۱) --- قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا (۱۹/۲۰) مریم بولی "یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو، حالانکہ کسی مرد نے مجھے چھوا نہیں اور نہ میں بدچلن ہوں"۔ [3]

(۲) --- یٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا (۱۹/۲۸) "اے ہارون کی

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۷۶ [2] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۹۸ [3] معارف القرآن، جلد ۳، صفحہ ۵۴۹، ۵۵۱

بہن! نہ تیرا باپ بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکردار تھی (تو یہ کیا کر بیٹھی)"۔ [1]

(۳) --- "یعنی حضرت مریمؑ نے کہا کہ میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے جبکہ صورت یہ ہے کہ میرا نکاح بھی نہیں ہوا، اور میں (معاذ اللہ!) حرام کاری کی مرتکب بھی نہیں ہوئی۔ [2]

(۴) --- "حضرت مریم نے کہا کہ میں نے نہ شادی کی ہے اور نہ ہی حرامکاری کی (معاذ اللہ) مرتکب ہوئی ہوں تو میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ [3]

مریمؑ، اعتراضات کی بوچھاڑ میں

قوم کی طرف سے اس لعنت ملامت، اور فضیحت آمیز گفتگو کے جواب میں، مریم بیچاری کیا کرتی؟ وہ انہیں کیا جواب دیتی؟ پھر اگر طعن و تشنیع کی اس تلخ فضا میں، وہ اپنی صفائی پیش کرتی بھی، تو کیا قوم کے بڑے اور بالخصوص معترض حضرات، اسے قبول کر لیتے؟ اللہ تعالیٰ نے اسی صورتحال سے نمٹنے کے لیے، مریم کو اس سے پہلے ہی، یہ ہدایت فرما دی تھی کہ:

فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِيٓ إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا (مریم-۲۶) پھر اگر کوئی آدمی، تجھے نظر آئے، تو اس سے کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لیے روزہ کی نذر مانی ہے، اس لیے آج میں، کسی سے نہ بولوں گی۔

اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت میں، مریم کے لیے تسلی اور اطمینان ہے کہ" بچے کے معاملہ میں، اے مریم، تجھے بولنے کی ضرورت نہیں، اس کی پیدائش پر، جو کوئی بھی معترض ہو، اس کا جواب، اب ہمارے ذمہ ہے، تیرے لیے، اشارۃً، یہ بتلا دینا ہی کافی ہے کہ میں نے رحمان کے لیے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے"۔

مریم کے یہ الفاظ، اور اللہ تعالیٰ کی اس صورتحال میں، یہ ہدایت، اس امر کو واضح کر دیتے ہیں کہ حضرت مریم کو اصل پریشانی کیا تھی؟ کنواری ہو کر، اسکا بیٹے کو جنم دینا؟ یا رسمِ خانقاہیت کو توڑنا؟ اگر دوسری بات ہوتی تو لوگوں کا یہ ہجوم، اعتراضات، اور طعن و تشنیع کی اِس بوچھاڑ کے ساتھ، اُس پر اُس وقت حملہ آور ہوتا، جب وہ بیکل چھوڑ کر نکلی تھی یا بقولِ پرویز، رسمِ خانقاہیت کی خلاف ورزی، جس روز، اُس سے صادر ہوئی تھی، اب کیا یہ عجیب بات نہیں کہ وہ آج مریم پر اس واقعہ کے ضمن میں لعن طعن کرنے کے لیے چڑھ دوڑے ہیں، جسکا وقوع، کم از کم ایک ڈیڑھ سال قبل ہوا تھا؟

علاوہ ازیں، یہاں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ شادی شدہ لڑکی کے ہاں، پہلوٹی کا بچہ، اگر دنیا کے معروف طریقہ پر پیدا ہو، تو اسے چُپ کا روزہ رکھنے کی کیا ضرورت پیش آ سکتی ہے؟

الغرض! اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کے بعد ہی مریم، اپنی قوم کے پاس، بچے کو لے کر آئی تھیں۔ فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ (۱۹/۲۷) قَوْمَهَا کے الفاظ بھی یہ صراحت کرتے ہیں کہ وہ ولادتِ پسر کے بعد، اپنی قوم ہی کی طرف آئی تھیں، اگر

---

[1] معارف القرآن، جلد ۳، صفحہ ۵۵۳ [2] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۹۹ [3] تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۱۰۷

وہ شادی شدہ ہوتیں، تو اول تو بچے کی معروف فطری طریقہ پر، ولادت کے موقع پر، وہ گھر سے ہی نہ نکلتیں، اور اگر نکلی ہی تھیں، تو پھر شوہر کی قوم کے ہاں جاتیں، نہ کہ خود اپنی قوم کے پاس۔ (بلکہ قوم کی لعنت ملامت اور طعن وتشنیع سے بچنے کے لیے، وہ اسی اجنبی ماحول ہی میں ٹھہری رہتیں، جس میں وہ بقول پرویز، احبار ورہبان کی ڈانٹ ڈپٹ اور زجر وتوبیخ سے محفوظ رہنے کے لیے، گئی تھیں، تاکہ وہ اطمینان سے بچے کو جنم دے سکتیں) بہرحال، اجنبی ماحول کو چھوڑ کر، شوہر کے گھر اور سسرال کے افراد میں، مریم کا نہ جانا، اور اپنی قوم ہی کی طرف، لوٹ کے آنا، خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ غیر شادی شدہ تھیں، اس لیے بچہ جننے کے بعد، لامحالہ، انہیں اپنی ہی قوم کی طرف لوٹنا تھا۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُه کے الفاظ، یہ حقیقت بھی واضح کر دیتے ہیں کہ وہ خود، بچے کو اٹھائے ہوئے آئی تھیں، جسکا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ بچہ، ابھی عمر کے ایسے حصہ کو نہ پہنچا تھا کہ وہ خود چل کر آ سکتا، یا یہ کہ وہ سوار ہو کر آتا، جیسا کہ بعض جاہلوں نے، آیت لَآ أَجِدُ مَآ أُحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ سے غلط استدلال کرتے ہوئے کہا ہے۔

گہوارے میں گفتگو

اس کے بعد، مریم کے ساتھ، طعن وتشنیع اور زجر وملامت کا وہ واقعہ پیش آتا ہے، جس کے دوران، اللہ تعالیٰ نے، مریم کو مہر بلب رہنے کی تاکید کی تھی، اس نے کیا کیا؟

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا (مریم-۲۹) مریم نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا، لوگوں نے کہا "ہم اُس سے کیا بات کریں، جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے۔

قرآن کی معنوی تحریف کرنے والوں نے، اس آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ "ہم اس سے کیا بات کریں جو ابھی کل کا بچہ ہے" یعنی ان کے نزدیک، حضرت عیسیٰؑ کی یہ گفتگو، ان کی جوانی کے زمانے میں ہوئی، اور بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں نے کہا کہ "بھلا اس بچے سے ہم کیا بات کریں، جو کل ہمارے سامنے، گہوارے میں پڑا ہوا تھا" مگر جو شخص بھی، موقع ومحل اور سیاق وسباق پر کچھ بھی غور کرے گا، وہ یہ محسوس کرے گا کہ یہ محض ایک مہمل تاویل ہے، جو اعترافِ معجزہ سے بچنے کے لیے کی گئی ہے، اور نہیں، تو ان تاویل سازوں نے یہی سوچا ہوتا کہ وہ لوگ، جس بات پر اعتراض کرنے کے لیے آئے تھے، وہ تو بچے کی پیدائش کے وقت پیش آئی تھی، نہ کہ اس کے جوان ہونے کے وقت۔ علاوہ بریں، سورۂ ال عمران کی آیت ۴۶، اور سورۂ مائدہ کی آیت ۱۱۰، دونوں اس بات کی قطعی صراحت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے یہ کلام، جوانی میں نہیں بلکہ گہوارے میں، نوزائیدہ بچے کی حیثیت ہی سے کیا تھا، پہلی آیت میں، فرشتہ، حضرت مریم کو بیٹے کی بشارت دیتے ہوئے، یہ کہتا ہے کہ

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا (ال عمران-۴۶) وہ لوگوں سے گہوارے میں (پڑا ہوا) بھی بات کریگا اور ادھیڑ عمر میں بھی۔

اور دوسری آیت میں، اللہ تعالیٰ، خود حضرت عیسیٰؑ سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ

وَتُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا (المائدہ-۱۱۰) اور تُو گہوارے میں (پڑا ہوا) لوگوں سے باتیں کرتا تھا، اور ادھیڑ عمر میں بھی۔

چنانچہ قرآن کریم، اُن کی گہوارے کی گفتگو کو یوں نقل کرتا ہے۔

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ اٰتَانِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ○ وَجَعَلَنِيْ مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا○ وَبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا○ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا (مریم-۳۰ تا ۳۳) بچہ بول اٹھا ''میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا، اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں، اور نماز وزکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا، جب تک میں زندہ رہوں اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھے جبار اور شقی نہیں بنایا، سلام ہے مجھ پر، جبکہ میں پیدا ہوا، اور جبکہ میں مروں، اور جبکہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں۔

یہ ہے وہ ''نشانی'' جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں، بنی اسرائیل کے سامنے پیش کی گئی، اور جس کے متعلق، اللہ تعالیٰ نے پیشگی اعلان فرمایا کہ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ (تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیں)۔ اللہ تعالیٰ، بنی اسرائیل کو، ان کی مسلسل بدکرداری پر عبرتناک سزا دینے سے پہلے، اتمام حجت کرنا چاہتا تھا، اس کے لیے، اس نے یہ تدبیر فرمائی، کہ بنی ہارون کی ایک ایسی عابدہ وزاہدہ بیٹی کو، جو بیت المقدس میں معتکف اور حضرت زکریا کے زیر کفالت تھی، دوشیزگی کی حالت میں حاملہ کر دیا، تاکہ جب وہ بچہ کو لیے ہوئے آئے، تو ساری قوم میں ہیجان برپا ہو جائے، اور لوگوں کی توجہات یکلخت، اس پر مرکوز ہو جائیں، پھر اس تدبیر کے نتیجہ میں، جب ایک ہجوم، حضرت مریم پر ٹوٹ پڑا، تو اللہ تعالیٰ نے اس نوزائیدہ بچے سے کلام کرایا تاکہ جب یہی بچہ بڑا ہو کر، نبوت کے منصب پر سرفراز ہو، تو قوم میں ہزاروں آدمی، اس امر کی شہادت دینے والے موجود رہیں کہ اس کی شخصیت میں، وہ، اللہ تعالیٰ کا ایک حیرت انگیز معجزہ دیکھ چکے ہیں، اس پر بھی جب یہ قوم، اس کی نبوت کا انکار کرے اور اس کی پیروی کرنے کی بجائے، الٹا اسے مجرم بنا کر، صلیب پر چڑھانے کی کوشش کرے، تو پھر اسکو ایسی عبرتناک سزا دیجائے، جو دنیا میں کسی قوم کو نہیں دی گئی۔

الغرض، سورہ مریم میں مذکور، حضرت مریم کا پورا واقعہ، اگر منکرینِ معجزات کے اپنے ترجمۂ آیات میں بھی پڑھا جائے (بشرطیکہ ان میں اضافی اور الحاقی الفاظ کو الگ کر دیا جائے) تو عیسیٰ علیہ السلام کی خارقِ عادت اور معجزانہ پیدائش میں کوئی شک نہیں رہ جاتا، لیکن جو لوگ، قرآن کا نام لے کر، اپنے ہی نظریات وتصورات کی پیروی کرنے والے ہوں، انہیں قدم قدم پر، قرآن کے الفاظ سے برسرپیکار ہونا پڑتا ہے، جس سے قرآنی آیات کی تحریفات کا سلسلہ جنم لیتا ہے، ''مفکر قرآن'' کی تاویلات کے نام پر یہ تحریفات، دراصل، ان کی اسی ذہنی کیفیت پر غماز ہیں۔